قانون شریعت کے مصادر

اور

نئے مسائل کا حل

از

امیر شریعت حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ

شائع کردہ:

مرکزی دفتر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
76 A/1, Main Market, Okhla Village, Jamia Nagar
New Delhi - 110025, Ph: +91-11-26322991, 26314784
E-mail: aimplboard@gmail.com / www.aimplboard.in

(© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ)

نام کتاب	:	قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل
مرتب	:	حضرت مولانا سید شاہ منت اللہ رحمانیؒ
طبع سوم	:	مارچ ۲۰۱۲ء
طبع چہارم	:	جون ۲۰۱۷ء
تعداد	:	پانچ ہزار
کمپوزنگ	:	مرکزی دفتر بورڈ، نئی دہلی (محمد ارشد عالم)
پروف ریڈنگ	:	ڈاکٹر محمد وقار الدین لطیفی
صفحات	:	۳۸
قیمت	:	۲۰/روپئے

فہرست

پیش لفظ ۵

قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل ۷

قرآن کریم ۱۲

سنت ۱۵

اجماع ۲۲

قیاس ۲۴

کچھ مصادر ۲۹

استحسان ۳۰

مصالح مرسلہ ۳۴

عرف ۳۴

نئے مسائل کے حل کا طریقہ ۳۶

پیش لفظ

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی سید المرسلین و علیٰ آله و اصحابه اجمعین۔

اسلامی شریعت کے ماخذ اور مصادر کی بنیاد کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہے، اور اسکی روشنی میں ہر زمانے کے علماء اور فقہاء نے نئے مسائل کا استنباط واستخراج کیا ہے اور یہ ہر دور میں ہوتا رہے گا، شریعت کی روشنی میں تا قیامت یہ سلسلہ جاری بھی رہے گا۔ قانون اسلامی کی یہی نافعیت ہے کہ قیامت تک کے سارے مسائل کا حل اسمیں موجود ہے، علماء حسب ضرورت استنباط واستخراج کر کے ملت اسلامیہ کی رہنمائی کرتے رہے ہیں اور انشاءاللہ آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔

امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ نوراللہ مرقدہٗ بانی جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے قیام بورڈ اور بورڈ کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے بعد شدت سے یہ ضرورت محسوس کی کہ شرعی قوانین کے مصادر اور نئے مسائل کے حل کے سلسلہ میں ایک مختصر رسالہ تیار کیا جائے، اور انہوں نے خود ہی اس ضرورت کی تکمیل کا فیصلہ کیا اور آپ نے اس رسالہ کی تیاری میں اس بات کا پورا خیال رکھا کہ اس سے صرف علماء وفضلاء اور ماہرین قانون ہی استفادہ نہ کریں بلکہ وہ حضرات بھی بخوبی استفادہ کرسکیں جو دین و مذہب کا تھوڑا بہت علم رکھتے ہوں اور قانون شریعت اور اس کے مصادر سے ان کے کان آشنا ہوں اور کتاب وسنت، فقہ اور اصول فقہ میں مہارت حاصل نہ کی ہو

لیکن دیندار مسلمان ہوں اور شریعت اسلامی سے متعلق پیدا ہونے والے نئے سوالات ان کے دلوں کو بے چین کئے رہتے ہوں۔ ان حالات کے پیش نظر آپ نے اس مختصر رسالہ میں قانون شریعت کی بنیادیں بتائیں اور پیش آتے رہنے والے مسائل کے حل کا طریقہ بھی بیان فرمایا ہے۔

اب تک اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہو چکے ہیں اور اہل علم و دانشور طبقہ میں خاص طور پر قبولیت اور پسندیدگی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا گیا ہے، رسالہ کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر اب اس کا نیا ایڈیشن آپ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ اللہ رب العزت اس کے ذریعہ مسلمانوں کو قانون شریعت کی بنیادوں کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے نیز حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے لئے ان کی اس خدمت کو زادراہ کے طور پر قبول فرمائے۔ آمین

۲۰/رجب المرجب ۱۴۳۸ھ
۱۷/اپریل ۲۰۱۷ء

محمد ولی رحمانی
جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قانون شریعت کے مصادر اور نئے مسائل کا حل

وہی قانون سب سے زیادہ پسندیدہ اور قابل قبول ہوسکتا ہے جو معاشرہ کو اچھی اور اونچی قدروں سے آشنا کرانے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور جس میں فرد کو ایک دائرہ میں رہ کر آزادی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔

ایسا قانون وہی تیار کرسکتا ہے جو معاشرہ کی بنیاد، پچھلی تبدیلیوں اور آنیوالے انقلابات کا صحیح علم رکھتا ہو، اور جسے انسان کی قلبی کیفیات، ذہنی رجحان اور انفرادی نفسیات کا پورا اندازہ ہو۔ کوئی بھی انسان اپنی غیر معمولی ذہانت، وسیع تجربہ اور گہرے مطالعہ کے بعد بھی ہر ہر فرد کی نفسیات، جذبات اور خواہشات کا پورا علم نہیں رکھتا اور نہ اسے ملک و معاشرہ کا اتنا وسیع علم ہوسکتا ہے، کہ وہ ماضی کے علم کے ساتھ مستقبل کی پوری واقفیت رکھے، اسی لئے انسانوں کے بنائے ہوئے تمام قوانین ٹوٹتے رہتے ہیں، اور ہر نیا تجربہ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی ناکامی کا اعلان کرتا رہتا ہے۔

انسانی قوانین کی ناکامی کی طویل تاریخ یہ بتاتی ہے کہ قانون سازی انسان کے بس کی بات نہیں ہے، یہ اہم اور نازک کام وہی انجام دے سکتا ہے جو انسان اور معاشرہ کے متعلق نہایت ٹھوس اور گہرا علم رکھتا ہو، خدا تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور نہ صرف انسان بلکہ پوری کائنات کا وجود اس کے ایک حکم کا نتیجہ ہے وہ ہر چیز سے واقف، اس کی علت سے آگاہ، اس کی ترقی کے راستوں کا جاننے والا اور تنزل کے وسائل سے

باخبر ہے، پورا نظام کائنات اسی کے اشارے سے چلتا ہے، اسے نہ صرف ماضی اور حال کا علم ہے بلکہ مستقبل کے ایک ایک حرف کو جانتا ہے، خدا تعالیٰ کی بے پناہ قدرت تمام موجودات کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ خدا کے حکم کو ماننے اور کائنات کا گہرا علم اور وصف تخلیق کی بنیاد پر صرف خدا ہی اس پوزیشن میں ہے کہ انسان ہی نہیں بلکہ ساری کائنات کے لئے ایسا قانون بنائے جو ہر لحاظ سے مخلوق کے لئے مناسب اور سازگار ہو۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن مجید نے رہنمائی کی ہے ''الا له الخلق و الامر'' (پ۸ ع۱۴) یعنی جس طرح پیدا کرنا خدا کا کام ہے اسی طرح حکم دینا بھی اسی کے شایانِ شان ہے۔

قرآن مجید نے اس حقیقت کو مختلف مقامات پر بیان کیا ہے، سورۂ مومن میں ارشاد ہوا ''فالحکم لله العلی الکبیر'' حکم صرف اس بلند و برتر کا حق ہے جسے ''اللہ'' کہتے ہیں۔ دوسرے کی کیا مجال کہ خدا کی مخلوق پر اپنا حکم چلائے؟ سورۂ یوسف میں فرمایا گیا ہے ''اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِيَّاهُ'' یعنی حق تعالیٰ کا اپنے بندوں کو حکم ہے کہ اس کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں، اس سے پہلے قرآن نے اس ''امر'' کی دلیل بھی بیان کردی ''اِنِ الحُكْمُ اِلَّا لِلّٰه'' (پ۱۲ ع۱۵) کہ حکم دینا صرف اللہ کا حق ہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا کہ ''امر'' میں شرکت اور تقسیم نہیں ہے یہ صورت حال کہ اوامر کا بعض حصہ خدا سے متعلق ہو اور بعض حصہ کسی اور سے، کسی طرح قابل قبول نہیں ہوسکتا، قرآن نے کہا ''وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖ اَحَداً'' (پ۱۵ ع۱۶) اس کے حکم میں کوئی شریک نہیں جس طرح وہ تنہا پیدا کرنے والا ہے اور تنہا پوری کائنات کا مالک ہے اسی طرح حکم اور امر بھی صرف اسی کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ احکام اسلامی قانون کی بنیاد ہیں یا دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی قانون کی عمارت کا ڈھانچہ، حق تعالیٰ کے اس احکام کے اس مجموعہ سے

بنا ہے جسے خالق نے اپنی مخلوق کی زندگی کو منضبط، پرامن اور مفید و کامیاب بنانے کے لئے دیا ہے۔

قانون سازی اور تشریع اسلامی لازمی طور پر دو قسم کی چیزوں سے مرکب ہوں گی، کچھ امور تو وہ ہوں گے جن کا بندوں سے مطالبہ کیا جائے گا اور بعض چیزیں وہ ہوں گی جن سے بندوں کو روکا جائے گا۔ پہلی صنف کو ''اوامر'' کہتے ہیں اور دوسری قسم ''نواہی'' کہلاتی ہے، ان دونوں کیلئے ''معروف و منکر'' کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اوامر اور معروف کا تعلق پیدا کرنے والے کی رضا سے ہے۔ نواہی اور منکر کا سروکار اس کی نارضامندی سے ہے، بندہ کا کام یہ ہے کہ وہ اوامر کو بجالا کر طاعت کا ثبوت دے اور نواہی و منکرات سے بچ کر حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا کرے۔

تشریع اسلامی کی اس تفصیل میں آکر پھر قرآن ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ یہ اوامر و نواہی، معروف و منکر اور حلال و حرام بھی براہ راست حق تعالیٰ کی مرضی پر ہی موقوف ہے کسی دوسرے کو اس کا حق نہیں پہونچتا کہ وہ اپنی رائے سے کسی چیز کو معروف اور کسی کو منکر بنادے، بندہ اسی کو منکر کہے گا جسے خدا نے منکر بنایا ہے اور اسی کو معروف کہے گا جسے خدا نے معروف قرار دیا ہے۔

سورۂ نحل میں ارشاد ہوا

و لا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللّٰہ الکذب (پ۱۴ع۲۱)

کسی چیز کو حرام اور کسی چیز کو حلال ٹھہرانا صرف خدا کا حق ہے کوئی اس کا مجاز نہیں کہ وہ اپنی رائے سے حلال یا حرام بتاتا رہے، انبیاء کرام جو صاحب شریعت ہوتے ہیں اور جنہیں حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی کی بنیاد پر ''تشریع'' کا حق ہوتا ہے وہ بھی اپنی رائے سے خدا کی حلال کی ہوئی چیزوں کو اعتقاداً و عملاً حرام نہیں کر سکتے۔

ایک موقع پر جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے کسی وجہ سے ''شہد'' کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا تو آیت کریمہ نازل ہوئی۔

یاایھا النبی لما تحرم ماا حل اللّٰہ لک (تحریم پ۲۸ع۱۹)

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کیلئے حلال کیا ہے اسے کیوں حرام کرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ نبی جو حق تعالیٰ کا پیامبر ہے اور پھر معصوم ہے اسے بھی اپنی رائے سے حلال و حرام اور معروف و منکر میں دخل اندازی کا حق نہیں پہونچتا، بندہ کیلئے صرف ایک راہ ہے اور وہ اتباع اور سمع و طاعت کی راہ ہے۔ سورۂ جاثیہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کیا گیا اور فرمایا گیا:

ثم جعلناک علی شریعۃ من الامر فاتبعھا و لاتتبع اھواء الذین لا یعلمون (جاثیہ پ۲۵ع۱۸)

پھر ہم نے آپ کو دین کے ایک خاص طریقہ پر لا کھڑا کیا، پس آپ اسی طریقہ کی پیروی کریں اور جاہلوں کی خواہشات پر نہ چلیں۔

اور تمام امت محمدؐیہ کو اتباع کا حکم دوسرے انداز میں دیا گیا۔

ارشاد ہوا۔

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولاتتبعوا من دونہٖ اولیاء

تمہارے رب نے جو قانون تم پر اتارا ہے اس پر چلو اور خدا کو چھوڑ کر دوسرے اولیاء کی پیروی نہ کرو (اعراف پ۸ع۸)

بہرحال حکم اور امر صرف اللہ ہی کیلئے ہے اور قانون سازی اور تشریع کا حق بھی صرف اسی کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کی رضامندی کا علم انسان کو وحی کے ذریعہ ہوا جو جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر تیئس سالوں تک آتی رہی، اس وحی کے ذریعہ حق

تعالیٰ کے احکام واوامر کا اجمال ہمارے سامنے آسکا، اور ہمیں وہ اصول معلوم ہو سکے جن سے انسان اپنی زندگی کے تمام گوشوں میں ہر ملک اور ہر زمانہ میں قیامت تک رہنمائی حاصل کرسکتا ہے، لیکن اجمال واصول، فروع وجزئیات سے مستثنیٰ نہیں کرسکتے۔ بالخصوص اگر عام انسانوں کو سامنے رکھا جائے، اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ اوامر واحکام عمل کے لئے ہیں، جب تو ہر اجمال کی تفصیل اور ہر اصول کے ضمن میں فروع وجزئیات کا بیان ضروری ہے، اور اسی لئے ''تشریع اسلامی'' اور ''قانون شریعت'' کی ترتیب وتدوین کا سوال سامنے آتا ہے۔ اس تھوڑی سی بنیادی بحث کے بعد ''قانون شریعت'' کی تعریف حسب ذیل عبارت سے کی جاسکتی ہے۔

''انسانی زندگی کو منضبط، پر امن اور مفید وکامیاب بنانے کے لئے قواعد و ضوابط کا ایسا مجموعہ جو حق تعالیٰ کے امر اور اس کی رضا مندی کے پیش نظر مرتب کیا گیا ہو ''قانون شریعت'' ہے۔ اب اگر اسلام کے نام پر قانون سازی کی جائے تو اس قانون کی ہر دفعہ کا ہر رشتہ حق تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضامندی سے مربوط ہونا چاہئے اور ایسی کوئی تشریع اسلامی نہیں کہی جاسکتی جس میں امر خداوندی سے بے نیاز ہوکر محض اپنی رائے سے ضوابط مرتب کئے گئے ہوں، انہیں اصول کے تحت ہمارے اسلاف نے ''تشریع اسلامی'' کا فریضہ انجام دیا ہے جسے ہم ''فقہ'' اور ''اصول فقہ'' کے نام سے جانتے ہیں، حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد فقہاء کی جماعت پیدا کی، قرآن نے خود کہا تھا:

فلو لا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقهوا فی الدین (پ۱۱ع۴ توبہ)

ان کے ہر فرقہ سے ایک جماعت دین میں تفقہ (سمجھ) حاصل کرنے کیلئے کیوں نہ نکلے؟

حق تعالیٰ نے تشریع اسلامی کی خدمت طائفہ فقہاء سے لی، فقہاء کرام کے

ہاتھوں ایک ایسا قانون مرتب ہؤا جو ایک طرف انسان کی زندگی کے تمام گوشوں پر حاوی ہے، اور دوسری طرف قانون کا ہر حصہ اور اس کی ہر دفعہ حق تعالیٰ کے امر اور اس کی رضا مندی سے مربوط ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی محل اور مقام میں فقہاء کرام کے ہاتھوں سے اتباع اور طاعت کا دامن نہیں چھوٹا اور چھوٹتا بھی کس طرح؟ فقہاء کرام نے ''تشریع اسلامی'' کی بنیاد وحی الٰہی پر رکھی اور ''قانون سازی'' کا اصل مصدر وماخذ ''وحی'' کو بنایا، یا ان چیزوں کو جسے وحی الٰہی نے اصالۃً یا ضمناً مصدر وماخذ بنانے کی رہنمائی کی۔

اسی فقہ کا دوسرا نام ''قانون شریعت'' ہے۔ اور قانون شریعت کے مآخذ اور مصادر اس مقالہ کا موضوع ہیں۔ ان مصادر کو ''ادلہ شرعیہ'' بھی کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی تصریحات اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں فقہاء کرام نے چار چیزوں کو ادلہ شرعیہ قرار دیا ہے۔

(۱) قرآن کریم (۲) سنت رسول ﷺ

(۲) اجماع (۴) قیاس

فقہ کے کچھ اور ضمنی مصادر بھی ہیں لیکن وہ سب انہیں چاروں کے ذیل میں آجاتے ہیں۔

یہاں ان چاروں چیزوں پر فقہ اسلامی یا قانون شریعت کی بنیاد ہونے کی حیثیت سے گفتگو کی جارہی ہے اور ضمناً کچھ اور مآخذ کا تذکرہ بھی کیا جارہا ہے۔

قرآن کریم

قانون شریعت یا فقہ اسلامی کا سب سے پہلا اور بنیادی ماخذ قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم ''تشریع اسلامی'' کی بنیاد اور قانون اسلامی کا اصل اصول ہے۔ یہ قرآن بلا فرق وامتیاز تمام انسانوں کیلئے امام وپیشوا ہے۔ قرآن کریم کی حیثیت بنیادی دستور کی

ہے اس لئے اس میں اصول وکلیات کے بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور معاملات کی تفصیلات اور مسائل کے فروع وجزئیات سے بحث نہیں کی گئی ہے، اور اگر کہیں کی گئی ہے تو بہت کم! ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا، اگر قرآن مجید میں بالعموم مسائل ومعاملات پر تفصیلی بحثیں کی جاتیں تو پھر طوالت کے باعث اس کی دستوری شان باقی نہیں رہتی، اور اگر قیامت تک پیش آنے والے مسائل اس میں بیان کردیئے جاتے تو قرآن اتنی ضخیم کتاب بن جاتا کہ نہ صرف اس کی حفاظت وصیانت مشکل ہوتی بلکہ اس سے استفادہ بھی دشوار ہوتا۔ آج لاکھوں بچے، جوان اور بوڑھے قرآن کے حافظ ہیں، اور کروڑوں انسانوں کو قرآن کا اچھا خاصہ حصہ یاد ہے جو اس کی حفاظت وصیانت کا بہترین ذریعہ ہے اور ہم پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ''حق تعالیٰ کی بھیجی ہوئی تمام کتابوں میں سب سے زیادہ محفوظ قرآن کریم ہے۔'' اگر قرآن فروع اور جزئیات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب ہوتی تو شاید ہم یہ دعویٰ کرنے کے لائق نہ ہوتے۔

علامہ شاطبیؒ نے لکھا ہے:

تعریف القرآن بالاحکام الشرعیة اکثرہ کلی لا جزئی وحیث جاء جزئیا فما خذہ علی الکلیة (الموافقات ص۲۶۶ ج۳)

قرآن میں احکام شرعیہ اکثر کلی طور پر بیان کئے گئے ہیں اور جہاں کہیں کسی جزئیہ کا بیان ہے تو وہ بھی کسی کلی کے تحت ہے۔

اسی ''الموافقات میں علامہ شاطبیؒ ایک موقعہ پر تحریر فرماتے ہیں:

فالقرآن علی اختصارہ جامع ولایکون جامعاً الا والمجموع فیہ امور کلیات (الموافقات ص۳۶۷ ج۳)

قرآن اختصار کے باوجود جامع ہے، اور یہ جامعیت اسی وقت ہوسکتی ہے کہ اس میں امور کلی بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن کا یہ انداز بیان کہ وہ صرف اصول وکلیات کو بتلاتا ہے اور احکام کا بیان اجمالی اور کلی انداز میں کرتا ہے، بڑے مصالح پر مبنی ہے، اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ہر دور کے تقاضے نئے ہوتے ہیں اور ہر ملک وعلاقہ کی ضروریات اور وہاں کا ماحول دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، ان تقاضوں اور ضروریات میں اختلاف ناگزیر ہے، اور ان اختلافات اور ضرورتوں کی وجہ سے کوئی ایک جامد قانون ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے مفید نہیں ہوسکتا۔ قانون کو متحرک، اصولی دائرہ میں رہتے ہوئے لچکدار اور بدلے ہوئے حالات میں رہنمائی کی صلاحیت رکھنے والا ہونا چاہئے، اس لئے قرآن نے اصول وکلیات بیان کئے ہیں اور تمثیلات کے ذریعہ اسلامی فکر کی راہوں کو واضح کیا ہے، جن کے تحت قیامت تک پیدا ہونے والے مسائل حل ہوسکتے ہیں، اور قانون کی ترتیب، فروع وجزئیات کا تفصیلی حکم بیان کرنے کی ذمہ داری فقہائے کرام کے ذمہ ہے۔

قرآن مجید نے وضاحت کے ساتھ اصول وکلیات سے آگے کی چیزوں کو ''سنت'' کے حوالہ کیا، اور قرآن کریم کے مذکورہ بالا انداز بیان نے ''قیاس اور اجتہاد'' کی دعوت دی۔ تاکہ قرآن کے اصول اپنی جگہ قائم رہیں اور زمانہ کی ضروریات اور نئے تقاضوں کی دعوت پر اجتہاد اور قیاس کے ذریعہ جدید جزئیات وفروع اپنے اپنے وقت پر سامنے آتے رہیں۔ سورۂ نحل میں کہا گیا:

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (پ۱۴ ع۱۲)

اور آپؐ پر یہ قرآن اتارا ہے تاکہ آپؐ اسے لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں۔

قرآن نے تشریح وتفصیل کو سنت کے حوالہ کیا اور ہمیں سنت کی پیروی کا حکم دیا۔

سورہ حشر میں فرمایا گیا:

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَا کُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (۲۸ع۴)

رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ۔

اس سے ''سنت'' کا مقام واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے، سنت کے بغیر نہ قرآن کے مطالب و مقاصد کو پورے طور پر سمجھا جاسکتا ہے اور نہ اس کے اجمال کی تشریح کی جاسکتی ہے۔

سنت

تشریع اسلامی میں قرآن کریم کے بعد سنت رسولؐ ہی کا مقام ہے ''سنت'' جناب رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے۔ تقریر کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بات جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے کہی گئی یا کوئی کام آپؐ کے سامنے کیا گیا، آپ نے اسے سنا، یا دیکھا، اور سکوت اختیار فرمایا تو یہ بھی سنت ہے۔

محدثین اور فقہاء نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور بالخصوص خلفائے راشدین کے اقوال، افعال اور تعامل کو بھی ''سنت'' میں داخل کیا ہے۔

السنة تطلق على قول الرسول و فعله وسكوته وعلى اقوال الصحابة و افعالهم (نور الانوار)

رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور سکوت (تقریر) کو سنت کہتے ہیں اور صحابہ کرام کے اقوال و افعال پر بھی ''سنت'' کا اطلاق ہوتا ہے۔

اور یہ اس لئے کہ صحابہ کرامؓ کو عقیدت و محبت کا جو غیر معمولی تعلق جناب محمد رسول اللہ ﷺ سے تھا اس کے پیش نظر یہی کہا جاسکتا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے دین و مذہب سے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ حضرت رسالت مآب ﷺ سے سن کر یا دیکھ کر ہی کہا ہوگا۔ یا ''سنت نبوی'' سے استنباط کر کے کہا ہوگا۔ اس کا تو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ صحابہ کرامؓ

نے دین و مذہب کے بارے میں قرآن و سنت سے مستغنی ہو کر کوئی بات اپنی رائے سے کہی ہو۔

تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرامؓ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت پر ڈھونڈ ڈھونڈ کر عمل کرتے تھے۔ اور اگر کبھی سنت سے لاعلمی کی حالت میں صحابہ کرامؓ نے کوئی رائے قائم کی اور پھر ان کے سامنے اس کے خلاف کوئی سنت نبویؐ پیش کی گئی تو اپنی رائے واپس لے لیتے اور سنت کے مطابق عمل کرتے۔

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''دیت خاندان والوں کیلئے ہے، بیوی کو شوہر کی دیت میں سے وراثت نہیں مل سکتی، حضرت ضحاک بن سفیانؓ نے ٹوکا اور کہا۔ ''مسئلہ اس طرح نہیں ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو لکھا تھا کہ اشیم الضبابی کی دیت میں اس کی بیوی کو وارث بنایا جائے۔'' حضرت عمرؓ نے اپنی رائے واپس لے لی اور سنت رسولؐ کے مطابق فیصلہ کیا۔ (ابوداؤد، کتاب الفرائض)

اسی طرح ایک پاگل عورت زنا میں مبتلا ہوگئی، حضرت عمرؓ نے صحابہ کرامؓ کے مشورہ سے سنگسار کرنے کا حکم دیدیا، لوگ عورت کو لے چلے، راستہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہ کو معلوم ہوا۔ آپ نے روکا اور فرمایا کہ اسے واپس لے چلو اور حضرت عمرؓ سے آکر کہا کہ آپ کو معلوم نہیں، جناب رسول اللہ ﷺ نے پاگل کو مرفوع القلم قرار دیا ہے، حضرت عمرؓ نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور نعرہ تکبیر بلند کیا۔ (ابوداؤد، کتاب الحدود)

بہر حال صحابہ کرامؓ کو جو تعلق خدا اور اس کے رسولؐ سے تھا اس کے پیش نظر یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ صحابہ کرامؓ کا کوئی قدم قرآن یا سنت نبویؐ کے خلاف اٹھ سکتا ہے، اور اگر کبھی صحابی نے اپنے اجتہاد اور قیاس سے کوئی رائے قائم کر لی پھر اس کے مقابلہ میں کوئی نص آگئی تو فوراً اپنے قول سے رجوع فرماتے۔

اتباع اور سمع و طاعت کے معاملہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ

ذہن جناب سرور کائناتﷺ پر بھی واضح تھا، اور آپؐ کو بھی یقین تھا کہ دین پہنچانے، بتلانے اور دین پر عمل کرنے کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ اتباع کا دامن کبھی نہیں چھوڑ سکتے، وہ وہی کہیں گے اور وہی کریں گے جو انہوں نے رسول اللہﷺ کو کہتے سنا ہے یا کرتے دیکھا ہے، قرآن سے ہٹ کر اور سنت کے خلاف صحابہ کرامؓ کا کوئی قدم اٹھے یہ ممکن ہی نہیں، اسی اعتماد کی بنیاد پر آپؐ نے اعلان فرمایا:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْم بایّھمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ

(مشکوٰۃ، مناقب الصحابۃ)

یہاں دین و ہدایت ہی کے معاملہ میں صحابہ کرامؓ کی اقتدا اور پیروی کا حکم دیا گیا کہ میرے اصحاب دین میں مشعل راہ ہیں، وہ ستارے ہیں جن کی رہنمائی میں ہدایت کی راہ پر چلا جا سکتا ہے، اور جس نے صحابہ کرام کو اپنا رہنما بنایا وہ ہدایت پائے گا، گمراہ نہ ہوگا، پھر صحابہ میں جن کا مقام سب سے ممتاز تھا یعنی خلفائے راشدین کے متعلق اور واضح الفاظ میں ارشاد رسالت ہوا۔

علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

جناب رسول اللہﷺ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ خلفائے راشدین کا طریقہ تقریباً ویسا ہی ہے جیسے رسول اللہﷺ کی سنت، چونکہ خلفائے راشدین تمسک بالسنۃ میں سب سے آگے تھے، فکر و بصیرت کے ساتھ اتباع اور پیروی میں سب پر سبقت لے گئے، ان کا ذہن و فکر اور عمل و کردار سنت کے سانچے میں ڈھل گیا تھا، سنت پر عمل ان کا مزاج بن چکا تھا، اس لئے دین کے معاملہ میں خلفائے راشدین کے طریقہ کو بھی سنت ہی جیسا مقام دیا گیا، اور آپ نے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ خلفائے راشدین کے طریقہ پر بھی عمل کرنے کی ہدایت اور تاکید فرمائی۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے تعامل اور خلفائے راشدین کے فیصلوں کو تشریع اسلامی کیلئے مستقل ماخذ بھی کہا گیا ہے۔ گرچہ یہ سب سنت ہی کے ضمن میں داخل ہیں۔

سنت کا مقام اگرچہ قرآن کے بعد ہے اس لئے کہ سنت قرآنی اجمال کی تفصیل ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ خود قرآن مجید نے جناب محمد رسول اللہﷺ کے ارشادات کو وحی بتایا ہے۔ سورۂ نجم میں فرمایا گیا۔

وَمَایَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی انْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوحٰی (پ۲۷ ع۵)

آپؐ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے جو کچھ فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی ہوتی ہے۔

سورۂ احزاب میں ارشاد ہوا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (پ۲۱ ع۱۹)

تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں اچھا نمونہ ہے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ دین کے بارے میں جو کچھ جناب رسول اللہﷺ کی زبان مبارک سے نکلا وہ حق تعالیٰ کا فرمودہ تھا، اور خود سرور کائناتﷺ کے ارشاد گرامی سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔

واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث لکھا کرتے تھے، یعنی جو کچھ آپ دین کے متعلق فرماتے حضرت ابن عمرؓ اسے قلمبند کر لیا کرتے تھے، آپ ہی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا کہ رسول اللہﷺ بشر ہیں، بہت سی باتیں آپؐ غصہ کی حالت میں فرمایا کرتے ہوں گے اس لئے حدیث نہ لکھا کرو، حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ قریش کے کہنے سے میں نے لکھنا بند کر دیا اور سرکار دو عالمﷺ سے عرض کیا، تو آپؐ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ''تم لکھا کرو'' پھر اپنے منہ کی طرف انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا کہ ''اس سے (میری زبان سے) حق

کے سوااور کوئی بات نہیں نکلتی ، (ابوداؤد، باب کتاب العلم)

دوسری طرف آپ کی پوری زندگی لائق اتباع نمونہ ٹھہری اسی لئے قرآن نے پوری وضاحت کے ساتھ غیر مشروط طریقہ پر حکم دیا۔

مَا اٰتَاکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھَا کُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (۲۸ع۴)

رسول تمہیں جو دیں اسے لے لو اور جس چیز سے روکیں رک جاؤ۔

بہر حال سنت نبویؐ، تشریع اسلامی کا ماخذ ہے اور اگر چہ اس کی حیثیت قرآن کے بعد ہے لیکن مذکورہ بالا اہمیت کے پیش نظر سنت کو ایک مستقل ماخذ کہنا بالکل صحیح ہے اور اس لئے کہ سنت میں ایسے احکام بھی ملتے ہیں جن پر قرآن خاموش ہے خواہ اس کی اصل قرآن میں موجود ہو۔ اب چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ کا دور موجود نہیں ہے، اور آپ سے بالمشافہ استفادہ بھی نہیں کیا جا سکتا، ہمارے پاس روایات کا ذخیرہ ہے جس کے جمع و ترتیب میں اور صحت و سقم کو جاننے کے لئے سیکڑوں سال تک محدثین کرام نے اپنی بہترین صلاحیتیں صرف کی ہیں اور پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ''جو محنت فن حدیث پر کی گئی ہے وہ آج تک دنیا میں کسی علم و فن کے لئے نہیں کی گئی۔ اگر محدثین رحمہم اللہ کے حالات پڑھے جائیں اور فن حدیث کیلئے جو محنتیں انہوں نے کی ہیں اس پر نظر ڈالی جائے تو انسان پکار اٹھے گا کہ حضرات محدثین کو حق تعالیٰ نے علم حدیث کی حفاظت ہی کے لئے پیدا کیا تھا اور ایسا معلوم ہوگا کہ جس طرح حضرت حق نے اپنے آخری کلام (قرآن مجید) کی حفاظت کے لئے غیر معمولی انتظامات کئے اسی طرح اپنے آخری نبیؐ کے آخری نقوش و ہدایات کی حفاظت کے لئے محدثین کے ہاتھوں ایسا نظم فرمایا جو اپنی مثال آپ ہے۔

تاریخ کا یہ عجیب و غریب واقعہ ہے جو صرف جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے حالات زندگی کے ساتھ پیش آیا کہ آپؐ کی زندگی کے تمام واقعات اور حالات، آپؐ کا

اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا غرض کہ ہر نقل و حرکت مسلسل سند کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے، جس کا سلسلہ ہم سے شروع ہوتا ہے اور اس صحابی پر ختم ہوتا ہے جس نے اس واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا کانوں سے سنا تھا۔

اگر آج کوئی مسلمان یہ کہتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے بعد ایک زمانہ آئے گا، جب لوگ علم کے بغیر فتاویٰ دیں گے اور نتیجہ کے طور پر خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو گمراہ کریں گے تو ایسا کہنے والا اپنے پاس سند رکھتا ہے، وہ بتلا سکتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ قول اس نے کس سے سنا، انہوں نے کس سے، یہاں تک کہ یہ سلسلہ اس صحابی پر ختم ہوگا، جس نے یہ ارشاد براہ راست جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اس حدیث پر یقین نہ کریں اور دین کے باب میں اس کو مشعل راہ نہ بنائیں، اور جب ہمیں اس صحت کا یقین یا ظن غالب ہوتا ہے تو پھر اگر کوئی بالغ نظر عالم دین اس حدیث سے استنباط کرے اور کہے کہ علم کے بغیر دین میں دخل اندازی اور پوری واقفیت کے بغیر دین کے مسائل بتلانا اور فتویٰ دینا عنداللہ جرم اور معصیت ہے اور اس کا مرتکب شریعت اسلامیہ میں مجرم اور لائق تعزیر ہے تو اسے کون غلط کہہ سکے گا۔

جناب رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں اور آپؐ سے منقول روایتوں کا ذخیرہ جو کتب حدیث کی شکل میں آج ہمارے پاس موجود ہے، بخاری ہو یا مسلم، ترمذی ہو یا ابوداؤد وغیرہ ان سب کے جمع کرنے والوں اور ترتیب دینے والوں کی شخصیتیں انتہائی روشن اور دیانت و تقویٰ کے سب سے اونچے معیار کی حامل ہیں، ان کے متعلق غلط بیانی یا بے بنیاد روایت کو اپنی کتاب میں درج کرنے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا، اور پھر ان حضرات نے ہر روایت کی سند بھی اپنی کتاب میں درج کی ہے جو صاحب کتاب سے شروع ہو کر

جناب محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہوتی ہے اور درمیان کے تمام راویوں کا ذکر کرنے کے بعد اصل حدیث کے متن کو لکھا ہے اور پھر ان راویوں کے حالات کی تحقیق میں محدثین نے اپنی عمریں صرف کی ہیں اور سیکڑوں میل کا پاپیادہ سفر کر کے راویوں کے حالات معلوم کئے ہیں، اور انہیں پوری دیانت داری کے ساتھ قلمبند کیا ہے، یہ حضرات اپنے فرائض میں ایسے مستعد اور جانچ کے اصولوں پر اس طرح مستقیم تھے کہ ان کی جرح اور تنقید سے بڑے بڑے ائمہ دین بھی محفوظ نہیں رہ سکے، اصحاب جرح وتعدیل نے ہر ایک راوی کو پرکھا اور جرح وتعدیل کی عدالت سے کسی کو بھی معافی نہ ملی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف احادیث اور اس کے راویوں کا صحت وسقم معلوم کرنے کا بہترین ذریعہ دستیاب ہوگیا، دوسری طرف تاریخ کا یہ عظیم کارنامہ انجام پایا کہ ہزار ہا اشخاص کی سوانح مرتب ہوگئی جو ان کے حالات کی آئینہ دار ہے اور جسے اسماء الرجال کا نام دیا گیا، آج بھی اس فن کی سیکڑوں کتابیں موجود ہیں جن سے حدیث کے راویوں کا سچا حال معلوم کیا جاسکتا ہے۔ مشہور محقق ڈاکٹر اسپرنگر نے ''**اصابه فی احوال الصحابه**'' کے دیباچہ میں لکھا ہے۔

''نہ کوئی قوم دنیا میں گذری نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

حضرات محدثین نے ''اسماء الرجال'' کے ذریعہ بہترین کسوٹی ہمارے ہاتھ میں دیدی کہ آج ہر حدیث اور اس کے ہر ایک راوی کو پرکھا جاسکتا ہے، اور معلوم کیا جاسکتا ہے کہ وہ حدیث کس مرتبہ کی ہے۔

ان ہی راویوں کی بیان کردہ روایتوں سے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ کا ہمیں علم ہوتا ہے، جن کی پیروی ہم پر فرض کی گئی ہے، اور یہی روایتیں بتلاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کن باتوں کا ہمیں حکم دیا ہے جنہیں ہم انجام دیں اور کن امور سے منع فرمایا ہے جس

سے رک جائیں، غرض اللہ تعالیٰ کے حکم ''**مَا اٰتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا**'' پر عمل پیرا ہونے کا ذریعہ یہی روایتیں ہیں اور ان ہی روایتوں کو ''حدیث'' بھی کہتے ہیں۔ جو ''قانون شریعت'' کا دوسرا ماخذ ومصدر ہے، جس کے بغیر نہ قرآن کے اصولی احکام واضح ہوسکتے ہیں اور نہ قرآن کے اجمال کی تفصیل بتلائی جاسکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ تشریع اسلامی کے موقع پر یا فقہی احکام کے استنباط اور استخراج کے وقت انہی روایات سے کام لیا جائے گا جس کی صحت پر کام کرنے والے کو اطمینان ہوجائے اور جو صحت کے طے کئے ہوئے معیار پر پوری اتریں۔

اجماع

تشریع اسلامی کا تیسرا ماخذ ''اجماع'' ہے اصولیین نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے:

وهو فی اللغة الاتفاق و فی الشریعة اتفاق مجتهدین من امة محمد رسول الله ﷺ فی عصر واحد علی امر واحد

(نورالانوار باب الاجماع)

اجماع لغت میں اتفاق کو کہتے ہیں اور شریعت میں امت محمدیہ کے مجتہدین کا ایک زمانہ میں کسی امر پر اتفاق کرلینا ''اجماع'' ہے۔

یہ اجماع فقہی احکام کے ثبوت کے لئے مضبوط دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ ایک دور کے ماہرین شریعت اور بالغ نظر علماء کا ایک زبان ہوکر کوئی بات کہنا اپنے اندر بڑا وزن رکھتا ہے۔

جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا تجمع امتی علی الضلالة (ترمذی)

میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

اور ایک موقع پر ارشاد ہوا۔

یداللّٰہ علی الجماعة فمن شذشذ فی النار (ابن ماجه)

حق تعالیٰ کی برکتیں اور اس کی طاقت جماعت کے ساتھ ہے جو شخص جماعت سے کٹ گیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

یہ اور اس قسم کی حدیثیں اجماع کے حجت ہونے کو واضح کرتی ہیں اور وہ آیات بھی اجماع کیلئے دلیل کا کام دیتی ہیں جس میں التزام جماعت اور مشورہ کا حکم دیا گیا ہے اور افتراق سے روکا گیا ہے، یہ سب فقہی احکام میں اجماع کی حجیت ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔

پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ اجماع خود کتاب وسنت کی دلیل پر ہی مبنی ہوتا ہے۔ اجماع کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ماہرین شریعت قرآن وسنت کو سامنے رکھے اور اس سے استفادہ کئے بغیر جو کچھ اپنی رائے سے کہہ دیا وہ اجماع ہے، دین میں جو بات بھی کتاب وسنت سے بے نیاز ہوکر محض اپنی رائے سے کہی جائے گی وہ باطل ہے۔

خلفاء راشدینؓ کے زمانہ میں اجماع کا منعقد ہونا آسان تھا، وجہ یہ تھی کہ سیدنا عمر بن الخطابؓ نے اپنے دورِ خلافت میں صحابہ کرام کو مدینہ طیبہ سے باہر جانے اور دوسرے شہروں میں بسنے سے روک دیا تھا تاکہ نئے نئے سیاسی اور علمی مسائل میں ان سے مشورہ کا موقعہ حاصل رہے، لیکن سیدنا عثمان غنیؓ کے زمانہ میں صحابہ کرام مدینہ طیبہ سے دور دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گئے۔ اگرچہ ان کا مدینہ سے باہر جانا اور دور دراز مقامات پر رہ کر دین کی اشاعت کا فرض انجام دینا بہت مفید ثابت ہوا، ان حضرات صحابہ کرام کی تعلیم وتربیت سے ہر جگہ بڑے بڑے محدثین، فقہاء اور ماہرین شریعت پیدا

ہوئے، جن کی گرانقدر علمی خدمات کبھی فراموش نہیں کی جاسکتیں، لیکن اجماع کا منعقد ہونا دشوار ہوتا گیا۔ اسی لئے خلافت راشدہ کے بعد اجماع کا انعقاد نظر نہیں آتا، اور غالباً اجماع کے انعقاد کی انہیں دقتوں کے پیش نظر بعض فقہاء نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ''تین اشخاص کے ذریعہ سے بھی اجماع منعقد ہوسکتا ہے۔''

ظاہر ہے کہ تین اشخاص کے اجماع پر اجماع کی تعریف صادق نہیں آتی، ہاں اگر یہ تین ایسے متفقہ ماہرین شریعت ہوں کہ جنہیں اپنے وقت کے مجتہدین اور فقہائے امت کا نمائندہ اور قائم مقام کہا جاسکے تو ان کے متفقہ فیصلے کو علماء امت کا فیصلہ کہا جاسکتا ہے۔

بہرحال ملک کے علماء امت یا ایسے ماہرین شریعت جو اپنی دیانت وتقویٰ میں ممتاز ہونے کے ساتھ امت کے علماء وفقہاء کے نمائندہ کہلانے کے مستحق ہوں، کا قرآن وحدیث کی روشنی میں کسی مسئلہ پر رائے میں متحد ہوجانا بھی ایک دلیل شرعی اور قانون شریعت کا مصدر اور اس کی بنیاد ہے۔

قیاس

اسلامی فقہ کا چوتھا ماخذ ''قیاس'' ہے اصولیین قیاس کی یہ تعریف کرتے ہیں۔

القیاس فی اللغة التقدیر و فی الشرع تقدیر الفرع بالاصل فی الحکم و العلة (نور الانوار)

لغت میں قیاس کے معنیٰ ''اندازہ کرنا'' ہیں اور شریعت میں حکم وعلت کی بنیاد پر فرع کے حکم کو اصل کے مطابق کرنا، قیاس ہے۔

دوسرے الفاظ میں اسی قیاس کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے۔

الحاق امر بامر فی الحکم الشرعی لاتحاد بینهما فی العلة

ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ کے ساتھ شرعی حکم میں اس بنیاد پر ملانا کہ دونوں

کے درمیان حکم کی علت مشترک ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شریعت نے کسی امر میں کوئی حکم دیا اس حکم کی علت معلوم کر لی جائے۔ اب وہ علت جہاں جہاں پائی جارہی ہے وہاں وہی حکم لگایا جائے گا۔ اسی کو اصطلاح میں یوں کہیں گے کہ ''شریعت نے کسی امر میں جو حکم دیا ہے علت مشترکہ کی بنا پر وہی حکم دوسرے امر میں دینا قیاس ہے۔ اصولیین لکھتے ہیں کہ قیاس کی حجیت پر نقل شاہد ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فاعتبروا یا اولی الابصار (پ ۲۸ ع ۴)

آنکھ والو! نصیحت حاصل کرو۔

اصولیین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے:

لان الاعتبار رد الشیٔ الی نظیرہ فکانہ قال تعالیٰ قیسوا الشیٔ علی نظیرہ (نورالانوار)

اعتبار کے معنیٰ کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا ہے گویا اللہ نے فرمایا۔ امور کو اس کی نظیر پر قیاس کرو۔

صاحب توضیح نے ''اعتبار'' کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے۔

رد الشیٔ الی نظیرہ ای الحکم علی الشیٔ بما ھو ثابت لنظیرہ

کسی امر کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانا یعنی نظیر کا جو حکم ہے وہی اس امر کو بھی دینا۔

قرآن مجید کی آیت ''لِيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ'' کو بھی قیاس کی بنیاد بتلایا جاتا ہے۔

بہرحال ان آیات سے قیاس کی حجیت ثابت ہوتی ہے حدیث سے قیاس کی حجیت زیادہ واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ عہد رسالتؐ میں حضرت معاذ بن جبلؓ یمن کے

قاضی مقرر کئے گئے روانگی سے پہلے دربار رسالت میں طلبی ہوئی۔ حاضر ہوئے تو جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا ''معاذ!'' فیصلہ کس طرح کرو گے؟ عرض کیا ''اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا'' پھر ارشاد ہوا ''اگر وہ مسئلہ کتاب اللہ میں نہ ملے؟'' حضرت معاذؓ نے جواب دیا''۔ تو پھر سنت رسول اللہ سے فیصلے دوں گا'' پھر ارشاد ہوا'' سنت میں بھی اگر وہ فیصلہ نہ ملے؟'' حضرت معاذؓ نے جواب دیا'' تو اجتہاد سے کام لوں گا'' یعنی قیاس سے فیصلے کروں گا۔ سرکار دو عالم ﷺ کو جواب سے مسرت ہوئی اور ارشاد فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللّٰہ (ترمذی)

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے رسول اللہ کے نمائندہ کو توفیق خیر بخشی۔

خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ سے قیاس واجتہاد کا ثبوت بکثرت ملتا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ سے کلالہ کا حکم دریافت کیا گیا (کلالہ وہ شخص ہے جس کے نہ ماں باپ ہوں اور نہ اولاد) کہ اس کا متروکہ کیا ہوگا۔ آپ نے جواب دیا۔

اقول فیھا برأی فان یکن صوابا فمن اللہ و ان یکن خطأً فمنی و من الشیطان

کلالہ کے بارے میں اپنی رائے سے حکم بیان کر رہا ہوں اگر یہ صحیح ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہے تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ نے ایک موقعہ پر میراث میں دادا کا حصہ پانے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

اقضی فیہ برأی اس کے متعلق میں اپنی رائے سے فیصلہ کر رہا ہوں۔

اس قسم کی روایتیں دوسرے صحابہؓ کے بارے میں بھی بکثرت ملتی ہیں (۱) جن

(۱) ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین ج ۱

کی وجہ سے قیاس کی حجیت میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔علمائے اصول کا خیال ہے کہ ہر حکم جو قرآن وسنت سے ثابت ہے اس کی کوئی علت ضرور موجود ہے۔اس علت کی تلاش مجتہد کا اصل کام اور اس کا پالینا مجتہد کی کامیابی ہے قیاس کا مدار اسی علت پر رہا کرتا ہے اور نئے معاملات ومسائل میں جس سے قرآن وسنت بظاہر ساکت ہے علت مشترکہ ہی کی بنیاد پر حکم لگایا جاتا ہے اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی امر میں قیاس واجتہاد کی بنیاد پر جو حکم دیا گیا ہے وہ دراصل کتاب وسنت ہی کا حکم ہے جو ظاہر نہ تھا بلکہ علت کی پنہائیوں میں مخفی تھا، قیاس نے اسے کھول کر سامنے کردیا۔اسی لئے اصحاب اصول فقہ لکھتے ہیں:

القیاس مظهر لا مثبت

قیاس حکم کو ظاہر کرنے والا ہے ثابت کرنے والا نہیں ہے۔

حکم کا ثبوت تو دراصل ''نص'' سے ہوتا ہے اور مثبت حقیقی خدا تعالیٰ ہے، قیاس کے ذریعہ وہ لاتعداد احکام ظاہر ہوتے رہتے ہیں جو حکم کی علت میں پوشیدہ ہوا کرتے ہیں۔

مارچ ۱۹۶۴ء میں **المجمع البحوث الاسلام** (جامعہ ازہر مصر) کی طرف سے نئے مسائل اور ان کے حل پر غور وفکر کرنے کی خاطر عالمی پیمانے پر ''مؤتمر'' بلائی گئی تھی، مؤتمر میں قیاس واجتہاد اور تلفیق مذاہب وغیرہ پر مقالے پڑھے گئے اور خصوصی طور پر اجتہاد کا موضوع زیر بحث آیا، یہ عاجز بھی موجود تھا۔جامعہ ازہر کے مایۂ ناز فرزند الدکتور الشیخ عبدالحلیم محمود نے بڑے بلیغ انداز میں اجتہاد کی حقیقت اور اس کی کیفیت واضح کی۔موصوف نے کہا:

ان الاجتهاد كشف وليس اختراعاً واتباع وليس ابتداعاً بمعنى ان الاساس فيه هو كشف ما كان عليه الرسل ﷺ ومما تعينه النصوص الدينية وارجاع الحوادث الجزئية الجديدة الى قاعدة من قواعد الدين الثابتة وعلىٰ هذا فلا جديد ولا تجديد وليس هناك مما يمكن ان

يسمىٰ رايا شخصيا فى الدين لا يسند الى دليل من الكتاب والسنة.

اجتہاد طے شدہ اصول کی روشنی میں جدید حالات ومسائل کے شرعی احکام کا انکشاف ہے کسی نئے اصول کی اختراع نہیں، یہ سابق کی اتباع ہے، نئی ایجاد نہیں، یعنی اجتہاد کا بنیادی رکن دینی نصوص کی روشنی میں آنحضور ﷺ کے طریقہ کی تحقیق اور نئی پیش آمدہ جزئیات کا حکم دین کے ثابت شدہ اصول کی روشنی میں معلوم کرنا ہے، اس لئے نہ یہاں کوئی غیر مستند نئی رائے ہے اور نہ کسی نئے اصول کی وضع واختراع۔اور اسی وجہ سے یہاں کسی ایسی شخصی رائے کی گنجائش نہیں ہے جس کی بنیاد کتاب وسنت نہ ہو۔

بہرحال قانون سازی اور تشریع اسلامی کا ماخذ کتاب وسنت ہی ہے اجماع اور قیاس بھی وہی معتبر ہے جس کی بنیادیں کتاب وسنت میں موجود ہوں اور پھر قیاس اسی جگہ کیا جاسکتا ہے جہاں قرآن، سنت اور اجماع بظاہر ساکت ہوں۔

حقیقت یہ ہے کہ قیاس واجتہاد ہی کے ذریعہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے پیغام خداوندی نے قانون شریعت اور فقہ اسلامی کی شکل اختیار کی، انسانی زندگی کے مختلف گوشوں میں پیدا ہونے والے سوالات اور نت نئی ضروریات نے ماہرین شریعت اور فقہائے اسلام کو کتاب وسنت پر اجتہادی انداز میں غور وفکر کی دعوت دی، انہوں نے احکام شرعیہ کی علت معلوم کی اور اجتہاد وقیاس کے ذریعہ پیدا ہونے والے سوالات کا جواب دیا اور وہ احکام بتلائے جو بظاہر نئے معلوم ہوتے ہیں مگر وہ کتاب وسنت کی پنہائیوں میں مخفی تھے اور اس طرح شریعت کے احکام نے ایک مکمل قانون کی شکل اختیار کرلی، اس لئے یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اسی قیاس واجتہاد پر فقہ اسلامی کا مدار ہے۔

وعليه مدار الفقه (نور الانوار)

اور اسی قیاس پر فقہ کا مدار ہے۔

اور اس لئے بھی اگر قانون شریعت اور فقہ اسلامی کا تجزیہ کیا جائے تو مسائل کی

کثیر تعداد وہ ہوگی جو قیاس واجتہاد سے معلوم کئے گئے ہیں۔

فان اکثر مسائل الفقه قیاسیة (نورالانوار)

فقہ کے اکثر مسائل قیاسی ہیں۔

کتاب وسنت کے بعد قیاس واجتہاد ہی قانون شریعت کا ماخذ ومصدر ہیں، اس طرح اس کی حیثیت صرف ضمنی نہیں بلکہ اصلی اور مستقل معلوم ہوتی ہے۔اصولیین نے لکھا ہے۔

الادلة الشرعية ضربان احدهما ما يرجع الى النقل المحض الثانی الیٰ الرای المحض (الموافقات ج۳ ص ۲۲)

ادلہ شرعیہ کی ایک قسم کا تعلق نقل محض سے ہے اور دوسری کا رائے محض سے۔

یہ رائے جسے دوسرا مرجع بتلایا جارہا ہے اجتہاد ہی تو ہے لیکن قیاس واجتہاد وہی معتبر ہے جس کی بنیادیں کتاب وسنت میں موجود ہوں، ورنہ وہ رائے جو کتاب وسنت سے بے نیاز ہوکر محض عقل کے زور پر قائم کی جائے، باطل ہے۔الموافقات ہی میں ہے۔

ان الادلة الشرعية فی اصلها محصورة فی الضرب الاول لانالم نثبت الضرب الثانی بالعقل وانما اثبتناه بالاول اذمنه قامت ادلة صحة الاعتماد علیه.

ادلہ شرعیہ دراصل پہلی قسم (نقل) میں منحصر ہے، اس لئے کہ دوسری قسم (رائے) کو ہم صرف عقل سے ثابت نہیں کرتے بلکہ نقل (کتاب وسنت) سے ثابت کرتے ہیں کہ ہمیں نقل سے رائے (اجتہاد وقیاس) پر اعتماد کرنے کے دلائل ملتے ہیں۔

کچھ اور مصادر

ان چار کے علاوہ کچھ اور مصادر بھی ہیں جن سے فقہاء نے قانون سازی اور

بیان احکام میں مدد لی ہے اور انہیں بھی اسلامی قانون کا مصدر وماخذ مانا ہے، فقہاء کی اصطلاح میں ان کا نام ''استحسان'' ''مصالح مرسلہ'' اور ''عرف'' ہے۔ذیل میں ان کی تھوڑی سی تفصیل دی جارہی ہے جو یقیناً اہل علم کیلئے تشنہ ہے۔

استحسان

کسی مضبوط اور زیادہ قوی دلیل کی بنیاد پر معاملہ کے دو پہلوؤں میں سے ایک کو ترجیح دینے کا نام ''استحسان'' ہے، قیاس خفی کو بھی ''استحسان'' کہتے ہیں یعنی حکم کی علت اگر جلی ہے جس کی طرف ذہن جلد منتقل ہوتا ہے تو اس کا نام ''قیاس'' ہے اور اگر حکم کی علت خفی ہے جس کی طرف کافی غور وخوض کے بعد ذہن کا انتقال ہوتا ہے تو وہ ''استحسان'' ہے عموماً استحسان کو ''قیاس'' پر ترجیح ہوتی ہے، لیکن یہ اس لئے نہیں کہ ہمیشہ علت خفی قوی ہوتی ہے بلکہ اس لئے کہ کبھی قیاس کے مقابلہ میں استحسان بالاثر ہوتا ہے مثلاً خف پر مسح کرنے کے مسئلہ میں قیاس جلی تو یہ ہے کہ خف کے نچلے حصہ پر جو زمین سے لگتا ہے مسح کیا جائے، کہ نچلے حصہ کے ناپاک ہونے کا احتمال زیادہ ہے، لیکن حضورﷺ سے اوپر کے حصہ کا ہی مسح منقول ہے اسی لئے قیاس جلی کو ترک کیا گیا اور استحسان بالاثر کو ترجیح دی گئی، اور خف کے اوپر کے حصہ کا مسح برقرار رہا۔

اس سلسلہ میں امام ابوداؤدؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ایک روایت اپنی کتاب میں درج کی ہے۔

لو کان الدین بالرای لکان باطن القدمین احق بالمسح من ظاهر هما وقد مسح النبی ﷺ علی ظهر خفیه (ابوداؤد)

اگر دین کی بنیاد رائے پر ہوتی تو قدموں کے نچلے حصہ پر مسح کرنا اوپر کے حصہ سے زیادہ صحیح ہوتا لیکن جناب رسول اللہﷺ نے خف کے بالائی حصہ پر مسح فرمایا۔

کبھی قیاس جلی کے مقابلہ میں اجماع آتا ہے، اس وقت بھی قیاس جلی کو ترک کردیا جاتا ہے، اس کی مثال میں دودھ پلانے والی عورت کو اجرت پر رکھنے کا معاملہ ہے قیاس جلی کا تقاضا ہے کہ یہ معاملہ جائز نہ ہو، اس لئے کہ اجارہ کی حقیقت ''اخذ النفع بالعوض ''عوض دے کر نفع حاصل کرنا ہے، کسی چیز کو ہلاک کر کے نفع حاصل کرنا نہیں ہے، اور اسکا بھی علم نہیں کہ دودھ کی کتنی مقدار بچے کے پیٹ میں جارہی ہے، اسی لئے قیاس جلی کا تقاضہ تھا کہ دودھ پلاکر اجرت لینے کا معاملہ درست نہ ہو، لیکن لوگوں کے تعامل نے اس کو اجماع کی شکل دیدی اور ''استحسان بالاجماع'' کی بنیاد پر مذکورہ بالا عقد اجارہ جائز ہوا۔

شامی جلد پانچ ص ۳۳ میں ہے:

(والظئر باجر معین لتعامل الناس الخ) وھذا استحسان لانھا ترد علی استھلاک العین وھو اللبن ویشترط التوقیت اجماعاً

اور اجرت متعینہ پر دودھ پلانے والی عورت کا اجارہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز ہے اور یہ جواز استحسان کے طور پر ہے نہ کہ قیاس کی بنا پر کہ یہ اجارہ عین (دودھ) کے ضائع کرنے کے مقابلہ میں ہے لیکن اس اجارہ میں مدت کا مقرر کرنا بالاجماع شرط ہے۔

کبھی ''قیاس جلی'' کو ''استحسان بالضرورۃ'' کی وجہ سے ترک کرنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کسی کنوئیں میں ناپاکی پڑ جائے تو پانی نکالدینے کے بعد کنوئیں کو پاکی کا حکم دیدیا جاتا ہے ''قیاس جلی'' کا تقاضا تھا کہ جب تک دیواریں نہ دھوئی جائیں نیچے کی مٹی نکال کر نہ پھینکی جائے کنواں پاک نہ ہو، کہ پاکی کے لئے نجاست کا ازالہ ضروری ہے، اور کنوئیں میں پیوست شدہ نجاست صرف پانی نکالدینے سے زائل نہیں ہوسکتی مگر دوسری طرف صورت حال یہ ہے کہ کنوئیں کا ناپاک ہوجانا کثرت سے پیش آنے والی

بات ہے اور دیواروں کا دھونا ممکن نہیں، اس لئے ضرورت داعی ہوئی کہ صرف پانی نکال دینے ہی سے استحساناً کنوئیں کی سب چیزوں کی طہارت کا حکم دے دیا جائے، اسی کو ''استحسان بالضرورۃ'' کہتے ہیں۔ جسے ''قیاس جلی'' پر ترجیح دی گئی۔

کبھی ''استحسان بالقیاس الخفی'' کی وجہ سے ''قیاس جلی'' متروک ہوجاتا ہے، اس کی مثال سباع، طیور (درندے، پرندے) کے جھوٹے کی طہارت کا حکم ہے۔ ''قیاس جلی'' کا تقاضا تھا کہ جس طرح درندہ جانوروں کا جھوٹا ناپاک ہے، سباع طیور کا جھوٹا بھی ناپاک ہو، اس لئے کہ کوئی چیز لعاب دہن سے جھوٹی ہوتی ہے اور لعاب دہن گوشت سے بنتا ہے تو جس جانور یا پرندہ کا گوشت ناپاک وحرام ہے اس کا لعاب دہن اور جھوٹا بھی ناپاک ہونا چاہئے، لیکن قیاس خفی سے معلوم ہوا کہ درندہ جانور کھاتے یا پیتے وقت اپنی زبان سے پوری مدد لیتے ہیں جس سے ماکولات ومشروبات وغیرہ میں لعاب کی آمیزش لازمی ہے، اور سباع طیور کھانے پینے کی چیزیں چونچ کے ذریعہ اپنی زبان پر لے جاتے ہیں اور زبان کے سہارے فرو کرتے ہیں، اس لئے ماکولات ومشروبات میں پرندوں کی صرف چونچ پڑتی ہے جو ہڈی ہے اور ہڈی پاک ہے اس لئے سباع طیور کے جھوٹے کی طہارت کا حکم ''استحسان بالقیاس الخفی'' کے تحت دیا گیا۔

''استحسان'' کی ان چار صورتوں میں پہلی تین صورتوں کے مقابلے ''قیاس'' ترک کردیا جاتا ہے، اور ''استحسان'' کے ذریعہ ثابت ہونے والا حکم باقی رہتا ہے، اور ''استحسان بالضرورۃ'' میں شرعی ضرورت کا اعتبار ہے، ہماری آپ کی خودساختہ ضرورتیں معتبر نہیں۔

''استحسان بالقیاس الخفی'' میں ترک واخذ کا مدار علت اور دلیل کی قوت پر ہے، اگر علت خفی زیادہ قوی ہے تو ''استحسان'' سے ثابت شدہ حکم کو ترجیح ہوگی، ورنہ قیاسی حکم برقرار رہے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے نماز میں سجدہ کی آیت تلاوت کی اور رکوع

ہی میں سجدۂ تلاوت کی بھی نیت کرلی تو کافی ہوجائے گا۔مسئلہ میں قیاس خفی کا تقاضا ہے کہ سجدۂ تلاوت کے لئے محض رکوع کافی نہ ہو، کیونکہ رکوع میں سجدہ کی طرح غایت تعظیم نہیں ہوتی اوراسی لئے نماز سے باہر سجدہ تلاوت کے لئے محض رکوع کافی نہیں ہوتا،مگر ''قیاس جلی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے اندر رکوع اور سجدہ دونوں اظہار تعظیم میں یکساں ہیں۔اسی لئے قرآن میں رکوع کا اطلاق سجدہ پر کیا گیا ہے۔

وخر راکعا واناب (پ ۲۳ ع ۱۱)

سجدہ میں گر گئے اور خدا کی طرف متوجہ ہوئے

اسی لئے نماز میں سجدۂ تلاوت رکوع سے بھی پورا ہوجائے گا،اور خارج نماز کا دوسرا حال ہے، وہاں رکوع سجدہ کے مشابہ نہیں اوراسی لئے نماز سے باہر آیت سجدہ پڑھ کر صرف رکوع کرلینا کافی نہیں ہوتا،لیکن یہ عدم مشابہت محض قیاسی ہے،اور نماز میں دونوں کی مشابہت کا ثبوت نص سے ہے اور یہی مشابہت علت مؤثرہ تھی،اور قیاس جلی سے ظاہر شدہ علت مؤثرہ (نماز میں رکوع وسجدہ کا مشابہ ہونا) نص سے ثابت ہونے کی وجہ سے قوی ہے،اس لئے اس مسئلہ میں ''استحسان'' کو ترک کیا گیا اور ''قیاس جلی'' سے ثابت شدہ حکم برقرار رہا۔

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ''استحسان'' کے ذریعہ ''قیاس'' کو نکھارا جاتا ہے اوراس کی اصلاح کی جاتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ محض سہولت بہم پہنچانے اور لوگوں کے لئے آسانی مہیا کرنے کی خاطر ''استحسان'' کے ذریعہ احکام بتلائے جاتے ہوں اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ تین قسموں میں تو ''استحسان'' کی بنیاد ''اثر'' ''اجماع'' اور شرعی ضرورت ''پر ہوتی ہے، جہاں ''قیاس'' متروک ہوتا ہے اوراستحسان پر عمل کیا جاتا ہے۔اور چوتھی قسم میں قوۃ دلیل کا اعتبار ہے،کبھی قیاس والا حکم ثابت ہوگا اور کبھی استحسان سے ثابت شدہ حکم پر عمل ہوگا۔

مصالح مرسلہ

پیش آنے والی ضرورتوں اور موجودہ مصلحت کی بنیاد پر فقہی احکام کے استخراج واستنباط کا نام ''مصالح مرسلہ ہے، اسے فقہاء ''اصطلاح'' بھی کہتے ہیں، یہاں بھی ضرورت اور مصالح شرعی کا اعتبار ہے، غیر شرعی ضرورتیں اور مصالح اگر پیش نظر ہوں اور ان بنیادوں پر مسائل کا استنباط کیا جائے تو قطعاً صحیح نہیں،کم سے کم یہ شرط لازمی ہے کہ اس راستے سے جو احکام بتلائے جائیں ان کا کتاب وسنت واستحسان سے ثابت شدہ احکام سے ٹکراؤ نہ ہو۔

ضرورت ومصلحت کے بھی درجات ہیں،شخصی اور ذاتی ضروریات پر عائلی مصالح کو ترجیح ہوگی، اجتماعی اور ملی مصالح سب پر مقدم ہوں گے،ملکی مصالح وضروریات کا بھی ایک مقام ہے،ان میں جو ضرورت ومصلحت بھی سامنے ہو اس کے پیش نظر احکام کا استنباط کیا جاسکتا ہے،لیکن جو شرطیں اوپر لکھی گئیں ان کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا ورنہ دین ہوائے نفس اور خواہشات کے پورا کرنے کا ذریعہ اور بے دینوں کے ہاتھ میں کھلونا بن جائے گا۔

''استحسان'' اور ''مصالح مرسلہ'' یہ دونوں بھی قیاس ہی کے تحت آتے ہیں،مگر ان دونوں کی قانون اسلامی میں خاصی اہمیت ہے اور ہر زمانہ میں نئے مسائل حل کرتے وقت ان سے کافی مدد مل سکتی ہے لیکن ان چیزوں سے وہی کام لے سکتا ہے جس کا دین پر نہ صرف وسیع اور گہرا مطالعہ بلکہ دین میں اسے رسوخ حاصل ہو اور دین اس کا مزاج بن چکا ہو۔

عرف

یعنی جانی پہچانی اور مستحسن چیز،اسے بھی تشریع اسلامی کا ماخذ مانا گیا ہے۔فقہاء نے ''عرف'' کے اسلام میں معتبر ہونے کے واسطے ذیل کی آیت لکھی ہے۔

خُذِالْعَفْوَ وَ أْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ (پ ۹ ع ۱۴)

عفوودرگذر کا طریقہ اختیار کیجئے عرف کا حکم دیجئے اور جاہلوں کونظرانداز کیجئے۔

فقہی اصطلاح میں کسی امر سے متعلق امت کی عادت کا نام ''عرف'' ہے۔ اسے تعامل بھی کہتے ہیں۔اس کے متعلق کہا گیا ہے۔

مَارآہُ الْمُسْلِمُوْنَ حُسْناً فَهُوَ عِنْدَاللّٰهِ حُسْنَ.

جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اس سے عرف کی اہمیت اوراس کے مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔زمانہ قدیم سے فقہ اسلامی کی ترتیب میں عرف کو بڑا دخل رہا ہے اور فقہاء کی نگاہ میں اس کی بڑی اہمیت ہے،علامہ سرخسیؒ نے لکھا ہے۔

الثابت بالعرف کالثابت بالنص (مبسوط)

جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ گویا نص سے ثابت ہے۔

رسائل ابن عابدین میں ہے:

الثابت بالعرف ثابت بدلیل شرعی.

جو بات عرف سے ثابت ہے وہ دلیل شرعی سے ثابت سمجھی جائے۔

قنیہ میں ہے:

لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکم علی ظاهر المذهب و یترک العرف۔

مفتی اور قاضی کیلئے یہ درست نہیں کہ وہ ظاہر مذہب پر عمل کرے اور عرف کو نظرانداز کردے۔

یہ ضروری نہیں کہ پورے ملک میں رہنے والی امت کا عرف ایک ہی ہو،مختلف علاقوں اور حلقوں میں امت کے افراد کا تعامل مختلف ہوسکتا ہے، اور وہی اس علاقہ کا

عرف ہوگا، اور یہاں بھی وہی شرط ملحوظ رہے گی کہ مذکورہ مصادر ثابت شدہ حکم سے ''عرف'' کا تعارض نہ ہو، ورنہ معصیت پر بھی تعامل ہوسکتا ہے اور ایک ایسا عرف سامنے آسکتا ہے جو سراسر دین اور اس کے تقاضوں کے خلاف ہو، ظاہر ہے کہ ایسے عرف پر عمل کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، اسے تو مٹانا ہوگا۔تشریع اسلامی کے وقت فقہاء اسلام کے پیش نظر حسب ذیل آیتیں بھی رہی ہیں۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نفساً اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ پ۳ ع۸)

اللہ تعالیٰ کسی شخص پر اس کی قوت برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔

یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسر وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (بقرہ پ۲ ع۷)

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے سہولت چاہتا ہے اور وہ تمہارے واسطے دشواری نہیں چاہتا۔

و ما جعل علیکم فی الدین من حرج (حج پ۱۷ ع۱)

اللہ تعالیٰ نے تم پر دینی کاموں میں تنگی اور مشقت نہیں دی۔

اور فقہائے اسلام کے سامنے یہ ارشاد نبویؐ بھی رہا ہے۔

لا ضرر ولاضرار نہ کسی کو ضرر پہنچایا جائے اور نہ خود ضرر میں مبتلا ہو۔

نئے مسائل کے حل کا طریقہ

بہرحال اگرچہ قیاس کی حجیت کا مرتبہ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ہے لیکن یہی وہ ماخذ ہے جس کے ذریعہ قانون شریعت کا بڑا حصہ ترتیب پایا ہے اور اسی کے ذریعہ قرآن وسنت کا اجمال اور اس کے اصول وکلیات اور اس کے محدود قوانین اور احکام جامد ہونے کے بجائے قیامت تک کیلئے متحرک ہیں، زمانہ کو قرار نہیں، صبح وشام تغیرات سامنے آتے رہتے ہیں، ہر نیا دور نئے تقاضے لے کر سامنے آتا ہے، خصوصا بیسویں

صدی کے نصف اول سے تغیر انقلاب کی رفتار بہت تیز ہے اور زندگی کے معاملات اور مسائل ہر تھوڑے عرصہ کے بعد نئی شکلوں اور پیچیدہ صورتوں میں سامنے آرہے ہیں، اس صورت حال سے عہدہ برآ ہونے اور زندگی کے نئے مسائل میں شرعی احکام بتلانے کے لئے قیاس اور اجتہاد کے سوا کوئی اور راہ نہیں ہے۔ اس کے ذریعہ ہم قیامت تک پیش آنے والے ہر نئے معاملہ کا جواب دے سکتے ہیں، اگر دروازۂ اجتہاد بند کر دیا جائے تو قرآن کریم کا آخری اور ابدی قانون ہونا، اور جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی ابدیت قائم نہیں رہ سکتی۔

اس لئے فقہ اسلامی کو ایک زندہ اور متحرک قانون باقی رکھنے کیلئے ضروری ہے کہ قیاس و اجتہاد ہمیشہ جاری رہے اور قرآن وسنت کے خشک نہ ہونے والے چشمہ سے ہر دور و زمانہ کی ضروریات پوری ہوتی رہیں، مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ قیاس و اجتہاد ایسی ہلکی پھلکی چیز نہیں ہے کہ اردو زبان میں قرآن کریم اور احادیث کا ترجمہ پڑھ کر اس کام کو شروع کر دیا جائے، فقہائے اسلام نے اجتہاد اور مجتہد کے لئے جن شرائط و اوصاف کا ذکر کیا ہے اس کی ضرورت سے کون انکار کر سکتا ہے، اسی لئے جب ان صفات و شرائط کے حاملین کم سے کمتر ہو گئے تو چوتھی صدی ہجری میں مصلحتاً فقہاء نے دروازۂ اجتہاد کو بند کر دیا کہ خدانخواستہ اگر یہ مؤثر حربہ نااہلوں کے ہاتھ میں آیا تو اصلاح کے بجائے فساد پیدا ہوگا۔ اور ہدایت کی جگہ گمراہی آئے گی، لیکن تشریع اسلامی کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب بھی زمانہ کے تقاضوں نے نئے مسائل لا کھڑے کئے تو فقہائے کرام نے اسی قیاس کے ذریعہ استحسان اور مصالح مرسلہ کے پیش نظر ان مسائل کا شرعی حکم بتلایا۔ یقیناً آج ایسے اشخاص کا دستیاب ہونا جن میں اجتہاد کے شرائط اور مجتہد کے اوصاف پائے جاتے ہوں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ اجتہاد اور قیاس کا حق اشخاص کے دائرہ سے نکال کر جماعت کو دیا جائے اور علماء و اصحاب نظر کی ایک مجلس بنائی جائے، مجلس کا ہر

رکن علوم اسلامیہ کا ماہر ہو، نیز ان کی نظر عصر حاضر اور اس کی ضروریات، عرف عام اور ملک کے تہذیبی اور ثقافتی معاملات پر گہری ہو، سائنٹیفک ترقیاتی، اور ثقافتی انقلاب نے جو گہرے اثرات انسانی زندگی اور اس کے گرد و پیش پر ڈالے ہیں، اس سے بھی وہ پورے طور پر آگاہ ہوں۔

ایسے حضرات کتاب وسنت، اجماع و قیاس اور فقہاء اسلام کے تیرہ سو سالہ عظیم کارناموں کو سامنے رکھ کر پوری نیک نیتی اور اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضامندی کیلئے شرعی حکم بتلائیں۔

انشاء اللہ قیامت تک جس قدر بھی نئے مسائل سامنے آتے رہیں گے، اس کا شرعی حکم معلوم ہوتا رہے گا۔ اور مسلمان اس پر پورا اعتماد کر سکیں گے۔ **واللّٰہ الموفق للصواب**

واٰخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

منت اللہ رحمانی

۲۱/جولائی ۱۹۷۲ء ۹/جمادی الثانی ۱۳۹۲ھ خانقاہ رحمانی، مونگیر